الرسائل القشیریہ، رسالہ قشیریہ اور کتاب اللّمع کا مطالعاتی جائزہ

افتخار الحسن میاں ۞

تعارف

اسلامی علوم و فنون میں علمِ تصوّف کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ یہ احکامِ شریعت کو اخلاصِ نیّت کے ساتھ اور دوسرے انسانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے سر انجام دینے سے بحث کرتا ہے۔ تصوّف رضاے الٰہی کے حصول کے لیے اللہ کے بندوں کی خدمت پر اُبھارتا ہے۔ انسانوں سے پیار، محبّت اور حسنِ سلوک کی خصوصی تعلیمات کی وجہ سے دنیا کے مسلم ممالک اور باقی دنیا کو درپیش دہشت گردی کے چیلنج سے نمٹنے کے لیے تصوّف کو فروغ دینے کی ضرورت کا احساس روز بروز توانا ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے مشرق و مغرب میں اسلامی تصوّف پر مختلف اقوام اپنے اپنے انداز میں کام کر رہی ہیں۔ اس تناظر میں تصوّف موجودہ دور کا زندہ موضوع بن چکا ہے۔ آج کی طرح ماضی میں بھی تصوّف کے نام کا استیصال اس میں در آنے والی غیر شرعی رسوم کی بنا پر کیا جاتا تھا۔ تصوّف میں خارجی عوامل کی آمیزش کے تلخ اثرات کی وجہ سے دوسری صدی ہجری میں ہی ایسی کتابوں کی تصنیف کا آغاز ہوا جن میں تصوّف کو کتاب و سنّت کے تابع قرار دیا گیا۔ بیسویں صدی میں ہماری درماندہ قوم کو علّامہ اقبالؒ نے تصوّف سے نئے انداز سے روشناس کیا۔ انھی کی فکر کے زیرِ اثر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے تصوّف کی امہات الکتب کی تحقیق و ترجمہ کے ساتھ اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس مقالے میں ان کتب کا مطالعاتی جائزہ پیش کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ فقہِ اسلامی کی طرح علمِ تصوّف بھی قرآن و سنّت سے ماخوذ ہے اور انسانوں کے مثبت رویوں کی تشکیل کر کے ایک انسان دوست معاشرہ تعمیر کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

نبّاضِ عصر، ترجمانِ حقیقت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۷ء – ۱۹۳۸ء) نے نہ صرف برّصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کا تصوّر پیش کیا تھا، بلکہ انھوں نے اس کے قیام کو ایک اٹل حقیقت کے طور پر اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ بھی لیا تھا۔ اِسی وجہ سے انھوں نے اسلام کے مختلف

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبۂ فکرِ اسلامی، تاریخ و ثقافت، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(driftikhar.mian@iiu.edu.pk)

موضوعات اور علوم وفنون پر ٹھوس تحقیقی کام کے لیے ایک ایسے تحقیقی ادارے کے قیام کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا جو اس نئی اسلامی ریاست میں ابھرنے والے ان نئے علمی مسائل کا اجتہاد اور اسلامی مصادر کی بنا پر حل تلاش کر سکے جن کے شافی جواب مسلمانوں کے ماضی کے علمی و فقہی ذخیرے سے دست یاب نہ ہو سکیں یا عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ جن کی تعبیرِ نَو ناگزیر ہو۔ انھوں نے اپنی حیات ہی میں خواجہ عبد الوحید ماہرِ قرآنیات کی سربراہی میں ایک تحقیقی ادارے کے قیام کی کوشش بھی کی تھی جس کا نام انھوں نے Institute for Research on Islam تجویز کیا تھا۔[۱]

زندگی کے آخری برسوں میں حضرت علّامہ کی شدید علالت اور پھر ان کی جانکاہ رحلت کے باعث وہ ادارہ فعّال نہ ہو سکا، تاہم قیامِ پاکستان کے چند ہی برسوں بعد ان کی اس مبارک خواہش کی تکمیل ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام سے کر دی گئی۔ ۱۹۶۲ء میں اس ادارے کو پاکستان کے نام ور عبقری محقق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی سربراہی (۱۹۶۲ء– ۱۹۶۸ء) میسر آئی، جنھوں نے پہلے ۱۹۶۲ء میں اس ادارے کا انگریزی زبان میں تحقیقی مجلّہ *Islamic Studies* جاری کیا، پھر ۱۹۶۳ء میں اُردو زبان میں اسلامی تحقیقی مجلّہ **فکر و نظر** جاری کیا، جب کہ ۱۹۶۵ء میں انھوں نے عربی زبان میں تحقیقی مجلہ **الدراسات الإسلامية** جاری کیا۔ ان نہایت گراں قدر مجلّات کے اجرا کے ساتھ ہی انھوں نے مختلف اسلامی علوم وفنون پر محققانہ کتب کی تصنیف و تالیف اور اہم عربی مخطوطات کی تحقیق و تدوین کے علاوہ ان کے اُردو تراجم کا کام بھی فقید المثال جذبے سے شروع کیا۔ ادارے کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اسے آغازِ کار ہی میں نہایت محنتی اور قابل اہلِ علم و تحقیق میسّر آ گئے۔ ان میں سے کچھ باقاعدہ رسمی طور پر اس سے وابستہ ہو چکے تھے اور کچھ ملازمت کہیں اور کرتے تھے، مگر ادارے کے علمی و تحقیقی کاموں میں وہ ہمیشہ مستعد و فعّال معاون رہے۔

علامہ اقبال کو تصوّف سے زندگی بھر گہرا شغف رہا۔ اس کے اثرات و نقوش اُن کی اُردو اور فارسی شاعری میں بھی نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں اور اُن کے شہرۂ آفاق خطبات میں بھی۔ اسی فن میں انھوں نے *The Development of Metaphysics in Iran* (ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا) کے زیرِ عنوان تحقیقی مقالہ لکھ کر ۱۹۰۸ء میں میونخ یونی ورسٹی، جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔[۲] علامہ کے فکرِ رسا

۱- *محمد ریاض*، "اقبال اور تحقیقاتِ اسلامی"، **فکر و نظر**، اسلام آباد، ۱۹: ۳ (۱۹۸۱ء)، ۴۸۔

۲- *نفسِ مرجع*، ۴۵۔

کے زیرِ اثر جب ۱۹۶۲ء میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پورے طور پر فعّال ہوا تو جن اسلامی علوم و فنون پر سب سے پہلے کام ہوا، اُن میں تصوّف بھی شامل تھا۔ یہ ادارہ اب تک اسلامی تصوّف پر تین گراں قدر کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکا ہے۔ یہ کتب **الرسائل القشرية**، **رسالہ قشیریہ** اور **کتاب اللّمع في التصوف** ہیں جن کا مطالعاتی جائزہ اس تحریر کا موضوع ہے۔

۱- الرسائل القشيرية

یہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۶ھ – ۴۶۵ھ) کے تین نادر رسائل کا مجموعہ ہے جو یہ ہیں: رسالة شكاية أهل السنة بما نال لهم من المحنة، رسالة كتاب السماع اور رسالة ترتيب السلوك في طريق الله؛ ان تینوں رسائل کے متون کی تحقیق اور اُن پر تعلیقات (تشریحات) کے علاوہ ان کا اُردو ترجمہ پاکستان کے شہیرِ عالَم محقق اور عربی زبان و ادب کے عدیم النظیر ماہر ڈاکٹر پیر محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۴ء– ۱۹۹۹ء) نے کر کے اِن وقیع رسائلِ تصوّف کو اُردو خواں طبقے کے لیے قابل استفادہ بنا دیا ہے۔ وہ ملازمت کہیں اور کرتے تھے، مگر ملازمت سے سبک دوشی کے بعد بھی انیس برس تک اس ادارے کو اپنی بلا معاوضہ علمی خدمات سے برابر نوازتے رہے۔

اس مجموعۂ رسائل کے آغاز میں ڈاکٹر پیر محمد حسن نے عربی زبان میں مبسوط مقدمے کا اضافہ کیا ہے۔ اس میں انھوں نے نسب القشیری کے زیرِ عنوان امام قشیری کا نسب یوں بیان کیا ہے: هو الإمام الأستاذ زين الإسلام عبد الكريم بن هوازن بن عبدالملک بن طلحة بن محمد، ابو القاسم القشيري، النيسابوري، الشافعي، المحدث، الصوفي۔[۳] قشیری نسبت کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ اُن کے قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ سے نسبی تعلق کی وجہ سے ہے۔ اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے کئی نام ور محدّثین و علما گزرے ہیں جن میں سے ایک عظیم شخصیت امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) مؤلفِ **صحیح مسلم** بھی ہیں۔[۴]

۳- ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری (۴۶۵ھ)، **الرسائل القشيرية** (کراچی، (حال) اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، س ن)، ا۔

۴- نفسِ مصدر۔

غالباً یہ مقدمہ محترم ڈاکٹر پیر محمد حسن مرحوم نے اُردو میں لکھا تھا کیوں کہ اس مجموعے کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ اس کی تعریب و تلخیص ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے وابستہ عربی زبان و ادب کے ایک اور ممتاز ماہر عبدالرحمٰن طاہر سورتی نے کی تھی۔ اس مجموعے میں ان تینوں رسائل کے عربی متون، فہارسِ اعلام اور کتب واماکن کے بعد ان کا بالترتیب اُردو ترجمہ دیا گیا ہے مگر اس کے عربی مقدمے کا اُردو ترجمہ موجود نہیں ہے۔ اس سے اُردو خواں قارئین اس مقدمے میں فراہم کردہ گراں قدر معلومات سے مستفید نہیں ہوسکتے؛ اس لیے ہم اس میں سے کچھ معلومات یہاں دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام قشیری کا خاندان دوسری یا تیسری صدی ہجری میں نقل مکانی کر کے خراسان کے ایک قصبہ استوا میں آکر آباد ہو گیا تھا، جسے اُن کے خاندان کے بڑوں نے کسی دور میں بسایا تھا۔ وہ یہاں کاشت کاری کیا کرتے تھے۔ حکومت نے اس گاؤں پر ناقابل برداشت لگان عائد کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے کاشت کار سخت اذیت میں تھے۔ امام قشیری کو بچپن ہی میں یتیمی کا زخم سہنا پڑا تھا، لیکن وہ اپنی حسّاس طبیعت کے باعث اپنی اس محرومی اور دُکھ سے زیادہ اپنے گاؤں کے کاشت کاروں کی اس اذیت سے پریشان رہتے تھے؛ اس لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ علم الحساب میں مہارت حاصل کر کے محکمہ استیفا، جو خراج اور دیگر حکومتی واجبات وصول کرتا تھا، میں اعلیٰ منصب حاصل کر کے اپنے گاؤں اور علاقے کے کاشت کاروں کو ظالمانہ لگان سے نجات دلائیں گے۔ اس مقصد سے وہ خراسان کے دارالحکومت نیشاپور گئے جو ماضی کی طرح اُن کے عہد میں بھی علوم و فنون کا گہوارہ تھا۔ وہ دینی تعلیم کے لیے وہاں نہیں گئے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انھی دنوں نیشاپور میں شہرۂ آفاق صوفی ابو علی حسن بن علی الدقّاق (م ۴۱۲ھ) اپنے روحانی افادۂ عام کے لیے مجلس قائم کیا کرتے تھے کہ ایک روز قشیری بھی اچانک اس مجلس میں جا بیٹھے۔ اُن پر حضرت ابو علی دقّاق کی گفت گو کا ایسا اثر ہوا کہ علمِ حساب میں مہارت اور اس کے ذریعے اعلیٰ حکومتی منصب حاصل کرنے کا ارادہ وہیں ترک کر کے راہِ طریقت اختیار کر لی۔ [(۵)]

دوسری طرف استاذ ابو علی دقّاق نے بھی قشیری میں رُشد و نجابت کی واضح علامات دیکھ کر ان کی ہمت افزائی کی۔ اس کے نتیجے میں قشیری کامل یک سوئی کے ساتھ حق شناسی کی منزل کی طرف چل پڑے۔ طریقت کی اساس چوں کہ شریعت ہے، اس لیے ابو علی دقّاق نے انھیں علومِ شریعت کے حصول پر توجہ دینے کی ہدایت کی۔ قشیری پہلے ابو بکر محمد بن ابی بکر طوسی (م ۴۰۵ھ) کے حلقۂ درس سے وابستہ ہوئے اور اُن سے علمِ فقہ حاصل کر کے

۵۔ نفسِ مصدر، ۳۔

اس میں اس درجۂ کمال حاصل کیا کہ بعد ازاں انھوں نے فقہ کی کئی اہم اور دقیق کتابوں پر تعلیقات لکھیں اور کئی ایک کی شروح (Commentories) تحریر کیں۔ پھر وہ اپنے استاذ ابو علی دقّاق کے حسبِ ارشاد امام ابو بکر بن فورک انصاری (م ۴۰۶ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اصولِ فقہ میں امام مانے جاتے تھے۔ ان سے انھوں نے علمِ اصولِ فقہ پڑھا اور اس میں کمال درجے کی مہارت حاصل کر لی جس کی وجہ سے اُن کا شمار امام ابو بکر بن فورک کے ارشد تلامذہ میں ہونے لگا؛ تاہم اپنے اس نام ور استاذ کی وفات کے بعد وہ استاذ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی (م۴۱۸ھ) کے مدرسۂ حدیث سے حدیث، اس کی معرفت اور علمِ رجال میں مہارت حاصل کرنے لگے۔ علمِ حدیث میں اس دور میں اس مدرسہ کی کوئی نظیر نہ تھی۔ اس سے کئی باکمال ہستیوں نے علمِ حدیث حاصل کیا جن میں سے متعدد نام ور محدثین ہوئے ہیں۔ انھی میں سے حافظِ حدیث و امام احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) اور قاضی ابو طیب طاہر بن عبد اللہ طبری (م ۴۵۰ھ) شامل ہیں۔ استاذ اسفرائنی سے سماعتِ حدیث کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ قشیری کے اس جلیل القدر استاذ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ان کے اس شاگرد کو گزرے دنوں کے اسباق یاد نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ قشیری محض اپنے حافظے پر بھروسہ کرتے تھے اور دیگر تلامذہ کی طرح اپنے استاذ کی روایت کردہ احادیث کو راویوں کے ناموں کے ساتھ ضبطِ تحریر میں نہ لاتے تھے۔ اس وجہ سے استاذ اسفرائنی نے انھیں فرمایا کہ علمِ حدیث محض سننے سے حافظے میں محفوظ نہیں رہتا، اسے لازمی طور پر لکھ کر محفوظ کرنا چاہیے۔ استاذ کی یہ بات سنتے ہی انھوں نے وہ تمام احادیث، سلسلۂ رواۃ کے التزام اور ترتیب سے سنانا شروع کر دیں جن کی وہ اب تک سماعت کر چکے تھے۔ استاد اُن کی قوتِ حفظ و ضبط پر حیران رہ گئے۔ انھوں نے اس علم و فن میں اُن کا مرتبہ و مقام پہچان لیا اور اُن کی قدر افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بالکل نہیں جانتا تھا کہ تم اس درجۂ کمال کو پہنچ چکے ہو۔ اب تمھیں میرے درس میں شریک رہ کر اخذ کرنے کی حاجت نہیں بلکہ تمھارے لیے میری تصنیفات کا مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے۔[۶]

قشیری نے تکمیلِ فقہ و حدیث کے بعد اپنے دونوں یکتائے روزگار اساتذہ ابو اسحٰق اسفرائنی اور ابو بکر بن فورک انصاری کے طریقوں کو یک جا کر کے ایک نیا طریقہ ترتیب دیا تاکہ فقہا اور محدّثین کے درمیان پائے جانے والے غیر ضروری اختلاف کو کم کرنے کے اسباب مہیا ہو سکیں اور اشاعتِ اسلام کے نئے دور کا آغاز ہو سکے۔ اس کے بعد انھوں نے ممتاز مالکی فقیہ قاضی ابو بکر باقلانی (م ۴۰۳ھ) کی کتب کا بہ غور مطالعہ شروع کیا۔ اعلیٰ سطح کے ان

۶۔ نفسِ مصدر، ۴۔

تعلیمی و علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ اپنے روحانی استاد ابو علی دقّاق کی مجلس میں بھی پابندی سے حاضر ہو کر مدارجِ سلوک طے کرتے رہے۔ (۷)

قشیری کا سلسلۂ بیعت

قشیری نے اپنے شیخ کی زبانِ حق ترجمان سے اپنا سلسلۂ بیعت (شجرۂ طریقت) اس طرح بیان کیا ہے کہ انھوں نے تصوّف کا طریق نصر آبادی سے اخذ کیا تھا، نصر آبادی نے شبلی سے، شبلی نے جنید سے، جنید نے سری سقطی سے، سری نے معروف کرخی سے، معروف کرخی نے داود طائی (امام ابو حنیفہ کے ارشد و انتہائی پارسا شاگرد) سے اور داود طائی نے ان تابعین سے جن سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ (۸)

اس رسالے میں قشیری کے اکتیس (۳۱) نام ور اساتذہ و شیوخ کے اسمائے گرامی دیے گئے ہیں۔ (۹) جن سے انھوں نے عربی زبان و ادب، شعر و انشا پردازی، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، فنِ رجال، علمِ کلام، تفسیر اور تصوّف میں حظِ وافر اٹھایا تھا، حتیٰ کہ وہ ان علوم و فنون میں سے ہر ایک میں درجۂ امامت کو پہنچ گئے اور زمانے نے اس کا برملا اعتراف بھی کیا۔ قشیری کے اپنے ہزاروں تلامذہ میں بعض بڑے نام ور اہلِ علم ہوئے ہیں۔ ان میں ایک **تاریخ بغداد** کے مصنّف حافظ ابو بکر احمد بن علی (۳۹۲–۴۶۳ھ / ۱۰۰۲–۱۰۷۲ء) بھی ہیں جو خطیب بغدادی کے نام سے شہرتِ دوام رکھتے ہیں۔ (۱۰)

الرسائل القشیریۃ کے اس عربی مقدمے میں موجود اُن کی گراں قدر تصنیفات کا یہاں ذکر کرنا بے محل نہ ہو گا۔ امام قشیری نے اپنے شیخ ابو علی دقّاق کی اس نصیحت کہ طریقت و تصوّف کی اساس شریعت ہے، اس لیے پہلے علومِ شریعت حاصل کرو، پر ایسی دلجمعی سے عمل کیا کہ نہ صرف علومِ شریعت بلکہ ان کے خادم علوم و فنون میں بھی اپنی گراں قدر تصنیفات کے ذریعے ایسا اضافہ کیا جس سے صدیوں بعد بھی اہلِ علم استفادہ کر رہے ہیں۔ اس مقدمے میں ان کی درجِ ذیل تصنیفات کا ذکر ملتا ہے:

۷– نفسِ مصدر۔

۸– نفسِ مصدر، ۵۔

۹– نفسِ مصدر، ۵–۱۱۔

۱۰– نفسِ مصدر، ۱۱۔

۱- التفسير الكبير ۲- الرسالة القشيرية ۳- التحبير في التذكير

۴- آداب الصوفية ۵- لطائف الإشارات ۶- كتاب الجواهر

۷- عيون الأجوبة في أصول الأسئلة ۸- كتاب المناجات

۹- كتاب نكت أولي النهى ۱۰- كتاب نحو القلوب الكبير ۱۱- كتاب نحو القلوب أيضًا

۱۲- كتاب أحكام السماع ۱۳- كتاب الأربعين في الحديث

۱۴- *اُن کی ایک تصنیف کا انتہائی قدیم نسخہ* دار الكتب الآصفية *میں موجود ہے جس میں انھوں نے اپنے شیخ ابو علی دقّاق سے سندِ متصل سے سماعت کی ہوئی تمام احادیث جمع کی ہیں، تاہم اصحابِ تراجم و سیر نے اس کا اپنی کتب میں تذکرہ نہیں کیا۔*(۱۱)

۱۵- رسالة ترتيب السلوك في طريق الله تعالٰى

۱۶- شكاية أهل السنة بحكاية ما نالهم من المحنة *، ان مؤخر الذکر دو رسائل کے بارے میں اگلے صفحات میں ہم قدرے تفصیل سے بتائیں گے۔*

۱۷- كتاب سيرة المشائخ ۱۸- كتاب المعراج ۱۹- استفاضة المرادات

۲۰- بلغة المقاصد في التصوّف ۲۱- ناسخ الحديث و منسوخه

۲۲- حياة الأرواح و الدليل إلى طريق الصلاح

۲۳- منثور الخطاب في شهود الألباب ۲۴- الفصول في الأصول

۲۵- مجالس أبي علي الحسن الدقّاق ۲۶- التوحيد النبوى

۲۷- اللمع في الاعتقاد ۲۸- التيسير في علم التفسير

۲۹- شرح الأسماء الحسنىٰ ۳۰- ديوان الشعر

۳۱- فتوىٰ محرّرة في ذى القعدة سنة ۴۳۶ھ

۱۱- *نفسِ مصدر، ۲۵۔*

الرسائل القشیریة کے تیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں مقدمے کے بعد **رسالة شکایة أهل السنة** اور **رسالة ترتیب السلوک في طریق اللّٰه** کی فہرستِ موضوعات دی گئی ہے۔ بعد ازاں اس پہلے رسالہ کے مشرقی ترکی میں واقع کتب خانہ قسطمونی میں موجود ایک مخطوطہ کے صفحہ ۱۶۵ کا عکس دیا گیا ہے۔ اس سے یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ **الرسائل القشیریة** کے مختلف مخطوطات کا تقابل، ان پر تعلیقات لکھنا، عربی متن کی ماہرانہ تحقیق کے بعد اِن کا سلیس اُردو ترجمہ کرنا ڈاکٹر پیر محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی محنت اور فاضلانہ لیاقت کا نتیجہ ہے۔ قلمی نسخے کے اس ایک عکسی صفحے کو ہی درست پڑھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں کیوں کہ اس کے اکثر الفاظ نقطوں سے آزاد ہیں۔ قدیم عربی املا کے عام اسلوب کے مطابق نہ صرف اعراب و حرکات موجود نہیں بلکہ کئی الفاظ ضروری حروف سے بھی محروم ہیں۔ مثال کے طور پر ”علی مقصی عملهم“ میں یہ لفظ مقتضی ہے مگر اس پر نقطے موجود نہیں ہیں اور خطیب کو خصیب لکھا گیا ہے۔[۱۲] فاضل محقق نے بے حد دیدہ ریزی اور مہارت سے ایسے شکستہ الفاظ کی درستیِ املا کی ہے۔ پاورق میں وقیع تعلیقات میں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی کے علاوہ ان کتب کے حوالہ جات کا اضافہ کر دیا ہے جن سے امام قشیری نے اخذ و استفادہ کیا تھا یا جن کتب میں وہی علمی مواد پایا گیا۔ پیر صاحب نے متن میں مذکور اشخاص میں سے ہر شخص کے عہد اور ثقاہت کو متعین کرنے کے لیے کئی اہم مصادر کی طرف رجوع کیا اور پاورق میں ان کے حوالے بڑے التزام سے دیے ہیں۔

پہلا رسالہ **رسالة شکایة أهل السنة بحکایة ماناله‍م من المحنة** کے نام سے ہے یعنی اہلِ سنّت کی آزمائشوں کی داستان میں ان کی فریاد۔ یہ رسالہ یا کتابچہ ۴۹ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ اس کتاب کے اُردو حصے کے آغاز میں اس کا ترجمہ ۳۸ صفحات پر محیط ہے۔ اس کے عنوان کا ترجمہ معلوم نہیں کیوں نہیں کیا گیا تھا، مگر قارئین کی سہولت کے لیے عنوان کا ترجمہ ہم نے اوپر دے دیا ہے۔ اہلِ سنّت کو معتزلہ کے ہاتھوں سخت دردناک سزاؤں اور ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا تھا کیوں کہ وہ امام ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۴ھ) کے وضاحت کردہ اسلامی عقائد کے ماننے والے تھے۔ اشعری خود بھی ابتدا میں معتزلی تھے، پھر تائب ہوئے اور معتزلہ کے عقائد کے خلاف اور قرآن و سنّت پر مبنی اہل سنّت کے عقائد کے حق میں اور اس کی تشریح و توضیح کے لیے انھوں نے پچپن (۵۵) گراں قدر کتابیں تصنیف کیں۔ امام اشعری کی وفات سے تقریباً ایک سو اکتالیس سال بعد

۱۲۔ نفس مصدر، عکسی صفحہ بعد از صفحہ ۱۶۵۔

امام قشیری کا انتقال ہوا تھا۔ اس تمام درمیانی عرصے میں امام اشعری کی کتابوں کے مطالعے اور اُن کی قبولیتِ عامہ کی وجہ سے عام مسلمان اور اہلِ علم کی غالب اکثریت ان کی ہم خیال ہوگئی۔ اس کی وجہ سے معتزلی عقائد رکھنے والے حکم رانوں نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کررکھا تھا۔ ہزاروں لوگوں کو جیلوں میں قید کیا جاتا رہا اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس رسالے میں ان سختیوں کا بھی مفصل بیان ہے اور سوال وجواب کے انداز میں معتزلہ کے اعتراضات اور امام اشعری کے جوابات بھی ہیں۔ امام اشعری کے ہم عقیدہ اہلِ سنّت اشاعرہ کہلاتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم امام اشعری پر معتزلہ کے اعتراضات میں سے چند ایک کا جواب بیان کریں جو امام اشعری کے بیان کردہ عقائدِ اہلِ سنت کی وضاحت کے لیے امام قشیری نے اس رسالے میں تحریر کیے ہیں؛ وہ لکھتے ہیں:

> اشعری کی جن باتوں کو وہ (معتزلہ) برا کہتے ہیں، صرف یہ ہیں کہ اشعری تقدیر کا قائل ہے، خواہ خیر ہو یا شر نفع ہو یا ضرر اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کرتا ہے۔ مثلاً قدرت، علم، ارادہ، حیات، بقاء، سمع، بصر، کلام، چہرہ، ہاتھ۔ نیز یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اس کا دیدار ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔[۱۳]

ان عقائد کی تفصیل و تشریح امام اشعری نے اپنی کتب میں کتاب و سنّت سے دلائل کے ساتھ بیان کی۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت ان کی تشریح عقائد کے مطابق اعتقاد رکھتی ہے۔ امام قشیری، امام اشعری پر ایک اہم اعتراض بلکہ بہتان کا ذکر کرنے کے بعد اس کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ان (معتزلہ) کا کہنا ہے کہ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ قرآن نہ مصحف میں ہے اور نہ یہ جو دو جلدوں کے درمیان موجود ہے، قرآن ہے۔ (قشیری کے مطابق معتزلہ کا یہ اعتراض بھی) اسے بدنام کرنے کی کوشش ہے اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا ہے۔ اشعری کہتا ہے اور معتزلہ کے سوا ہر مسلمان یہی کہتا ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے اور یہ مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً مصحف میں لکھا ہوا ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ قرآن ان معنوں میں مصحف میں نہیں ہے، وہ غلطی پر ہے بلکہ قرآن درحقیقت مصحف میں لکھا ہوا ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔[۱۴]

۱۳- امام قشیری، رسالة شكاية أهل السنة بحكاية ما نالهم من المحنة در الرسائل القشيرية (اردو ترجمہ)، ۹۔

۱۴- درالرسائل القشيرية، ۲۸۔

اس اسلوب میں امام قشیری نے معتزلہ کے امام اشعری پر اعتراضات کے اس کتاب میں جواب دیے ہیں۔ یوں یہ مسلمانوں کی غالب اکثریت یعنی اہلِ سنت کے عقائد کی قرآن وسنّت کی روشنی میں تشریح ہے۔

دوسرا رسالہ ان تین نادر رسائل میں سے **کتاب السماع** ہے۔ اس کا عربی متن اس کتاب کے پہلے حصے میں صفحہ ۵۰ سے ۶۵ تک سولہ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ کتاب کے دوسرے حصّے میں اس کا اُردو ترجمہ صفحہ ۳۹ سے ۵۵ تک سترہ صفحات پر محیط ہے۔ چھے فصلوں کے اس رسالے میں امام قشیری نے سماع کی تعریف، اس کی شرائط، آداب، سماع میں شریک ہونے والوں یعنی سامعین کی اقسام اور اس کے جواز پر بحث کی ہے۔

امام قشیری بتاتے ہیں کہ سماع مخلوق کے کلام میں موجود حق کے اشاروں سے واقف ہونا ہے۔ یہ قلب کی رقت کا موجب اور کلفت کو دور کرنے کا سبب ہے۔ بعض کے لیے یہ خوشی کا سبب ہے اور بعض کے لیے بے چینی کا۔ اس لیے کہ بعض کو فائدہ پہنچاتا ہے اور بعض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ سماع ایک ایسا قرض خواہ ہے جو فقیر سے اس کی روح لیے بغیر راضی نہیں ہوتا۔[(۱۵)]

انھوں نے اس مختصر رسالے میں انتباہ کیا ہے کہ سماع کے تقاضے پورے کرنا آسان نہیں۔ اس سے فوائد حاصل ہونے سے زیادہ روحانی نقصان ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ انھوں نے سماع کے جو آداب بیان کیے ہیں، اُن کا آج کے پیشہ ور قوّالوں اور طرب و نشاط میں ڈوبے ہوئے شائقینِ سماع سے گماں تک نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً وہ سماع میں شریک ہر فرد کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ سماع کی محفل میں ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے ہیبت سے بیٹھے، اپنے دل کے ساتھ عاجزی کا احساس رکھے اور اپنے ربّ کی شان اور اس کے بارے میں سماعت کے لیے ہر چیز کو بھلا دے۔[(۱۶)]

کتاب السماع کی آخری فصل میں امام قشیری اپنے دور کے ان لوگوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں جو بہ ظاہر صوفی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں جاہ پسند اہلِ دنیا ہیں۔ اس طبقے کے عمومی حالات کی وجہ سے وہ سخت دل گرفتہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ صوفیا کے کسی امام کا قول ہے:

> ہم ایسے زمانے میں آئے ہیں کہ جس میں نہ تو اسلامی آداب پائے جاتے ہیں اور نہ جاہلیت کے سے اخلاق موجود ہیں، نہ مروت والوں کی سی باتیں ہیں، نہ اشراف کی سی امانت ہے اور نہ مال داروں کا ساعار سے خوف

۱۵۔ **کتاب السماع** در **الرسائل القشیریة**، ۴۱-۴۲۔

۱۶۔ نفس مصدر، ۴۴۔

> باقی ہے۔ اسلام کا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے اور دین کی صرف علامات۔ قرآن کا صرف درس اور علم کی صرف تحریر۔ تصوف کی صرف چاشنی اور فقر کا صرف لباس؛ لہٰذا اس دور کی خرابی کے خلاف ہم اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔[۱۷]

امام قشیریؒ نے پانچویں صدی ہجری میں تصوّف اور اہلِ ظاہر کی جو حالت بیان کی ہے اور سماع میں در آنے والی قباحتوں کی وجہ سے اس کے لیے جو کڑی شرائط بیان کی ہیں، ان میں پندرھویں صدی تک اور کیا کچھ شامل ہو چکا ہے، اس کا انھیں بھی اندازہ نہ ہوگا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس تاثر میں وہ اکیلے نہیں بلکہ سیّد علی بن عثمان ہجویریؒ[۱۸] (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء- ۱۰۷۳ء) جیسے دیگر اکابر صوفیہ نے بھی اسی طرح کی مایوسی کا اظہار کیا ہے۔

امام قشیری کے ان تین نادر رسائل میں سے آخری رسالہ **ترتیب السلوک** ہے۔ یہ کتاب کے حصۂ اوّل میں ۶۴ سے ۸۰ تک سترہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آغاز میں استنبول کے مکتبہ آیا صوفیہ میں محفوظ اس کے قلمی نسخہ (مخطوطہ) کے ایک صفحہ کا عکس دیا ہے۔ اس کے اکثر الفاظ شکستہ اور غیر منقوط ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل محقق ڈاکٹر پیر محمد حسن مرحوم نے اس مخطوطہ کو مربوط و منضبط انداز میں صحتِ متن اور شستہ و رواں ترجمے کے ساتھ شائقینِ تصوف کو پیش کرنے کے لیے کس درجہ مہارت و جان فشانی سے کام لیا۔

یہ مختصر رسالہ آٹھ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے مگر اصل اور ترجمہ میں اس کے عنوانات قائم نہیں کیے گئے۔ اس کی بہ ظاہر ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام قشیری نے اس میں ہر سالک کے آٹھ درجاتِ سلوک کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک مرحلۂ شوق کے بعد دوسرے کی طرف محوِ سفر رہے۔ یوں یہ سفر ہی رہتا ہے، منزل اس میں کوئی نہیں آتی جسے وہ کوئی نام دے کر ہر فصل کا عنوان قائم کرتے۔ یہ مریدِ صادق کی آٹھ حالتوں کا بیان معلوم ہوتا ہے جو اسے قربِ الٰہی کے حصول کے اس سفر میں پیش آتی ہیں۔ اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کا زادِ راہ لے کر وہ ربِّ کریم کی رضا اور قرب کا یہ سفر ہر حال میں جاری رکھتا ہے، یہاں تک کہ اس کی کتابِ حیات مکمل ہو جاتی ہے اور وہ حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ امام قشیری نے اس رسالے کی فصلوں کی صورت میں مرید کے

۱۷- نفس مصدر، ۵۲۔

۱۸- سیّد علی بن عثمان ہجویری (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲- ۱۰۷۳ء)، **کشف المحجوب** (ترجمہ و تشریح: واحد بخش سیال) (لاہور: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، ۲۰۱۳ء)، ۶۸۵۔

لیے جو آٹھ مراحلِ سلوک بیان کیے ہیں، وہی پیر یا شیخ کے لیے بھی ہیں کیوں کہ وہ اپنے شیخ کا مریدِ صادق ہوتا ہے اور یوں کڑی در کڑی یہ سلسلہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔

دیگر تمام اکابر صوفیہ کی طرح امام قشیری نے بھی اپنے اس مختصر رسالے میں سالکین کے لیے شریعت کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اُن کے مطابق مرید اور پیر یا شیخ دونوں سالکین کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ حق سبحانہ کے تمام فرائض سے بہ خوبی واقف ہوں جو بہ لحاظ توحید اور بہ لحاظ شریعت اُن کے ذمے لازم آتے ہیں۔ مرید کو ایسے شخص کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا چاہیے جو اللہ کی راہ پر چل چکا ہو اور اللہ کی خاطر دنیا سے علیحدہ ہو چکا ہو، یہاں تک کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اگر وہ ایسے شخص کا مرید بنا تو وہ بھی اللہ کی راہ پر بہت جلد چلنے لگ جائے گا۔[(۱۹)]

اس رسالے میں امام قشیریؒ نے اللہ، اللہ کے ذکر کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ زبان سے اس ذکرِ پاک میں پختہ ہونے کے بعد قلب میں ذکر جاری ہو اور پھر تمام اعضا ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوں حتیٰ کہ ساری کائنات یہ ذکر کرتے ہوئے محسوس ہو[(۲۰)] یہ رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے مگر مردِ مسلمان کے دل میں ذکرِ الٰہی کا شوق پیدا کرنے میں بہت مؤثر ہے۔

۲- رسالہ قشیریہ

رسالہ قشیریہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی فنِ تصوف میں نہایت گراں قدر تصنیف ہے۔ اہلِ علم و تحقیق نے اسے تصوّف کی پانچ امہات الکتب میں شمار کیا ہے۔[(۲۱)] مذکورہ صدر کتاب **الرسائل القشیریۃ** کی نسبت یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کی درخواست پر اسے بھی ڈاکٹر پیر محمد حسن (مرحوم) نے عربی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا اور اپنے عالمانہ حواشی سے اس کی علمی قدر و قیمت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ یہ کتاب اس ادارے سے پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع کی گئی۔ اہلِ علم اور شائقینِ تصوّف نے اس کتاب کی خوب پذیرائی کی جس کے

۱۹- رسالہ **ترتیب السلوک** در **الرسائل القشیریۃ**،۵۶۔

۲۰- نفسِ مصدر، ۵۹۔

۲۱- ایس ایم زمان، مقدمہ، **کتاب اللّمع في التصوف**، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۶ء)، ا۔

باعث اسے مزید دو بار ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۵ء میں شائع کیا گیا۔ ہمارے پیشِ نظر ایڈیشن ۲۰۰۹ء میں شائع کیا گیا تھا جو پہلی تینوں اشاعتوں کی نسبت زیادہ جاذبِ نظر ہے کیوں کہ یہ کتابت کے بجائے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ذریعے اعلیٰ درجے کے کاغذ پر شائع کیا گیا۔ اس کا سرورق تجریدی آرٹ کا عمدہ نمونہ ہے، جب کہ مضبوط جلد اس کی اضافی خوبی ہے۔

رسالہ قشیریہ کے متن کے صفحات کی تعداد ۸۷۲ ہے جب کہ حواشی، فہرستِ مصادر اور فہرستِ اعلام کے ساتھ اس کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۱۳۳ ہے۔ تصوّف کی پانچ امہات الکتب میں شمار ہونے والی یہ کتاب اس صنفِ علم میں دادِ تحقیق دینے والے اہلِ علم و تحقیق کے لیے ایک اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا مصر سے بارہا شائع ہونے والا عربی متن عرب دنیا میں بھی اس کی قبولیتِ عامہ کی شہادت دیتا ہے۔ پاکستان میں اس کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ۱۱۳۳ صفحات کی ضخامت اور معنوی اہمیت کے باوجود ادارے نے اس کی قیمت محض ۱۱۰۰ روپے مقرر کر رکھی ہے اور اس پر بھی خاصی رعایت دی جاتی ہے۔ اس میں پاکستانی قارئین کی قرونِ اولیٰ کے اصلِ تصوف سے آگہی کے لیے حوصلہ افزائی کا پہلو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

تصوّف پر تصانیف کا آغاز دوسری صدی ہجری کے وسط تک ہو چکا تھا اور محدّثین، مفسرین اور دیگر اسلامی علوم وفنون کے ماہرین تصوّف پر کتابوں کی تصنیف و تالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے، مثلاً امام المحدّثین عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۸- ۱۸۱ھ / ۷۳۶- ۷۹۷ء) نے اپنی تالیف **کتاب الزھد** میں "ان احادیث کو جمع کیا ہے جن میں زہد کی ترغیب دی گئی ہے۔" (۲۲)

اس کتاب کے بعد کتبِ تصوّف کی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں وقت گزرنے کے ساتھ مزید وسعت آگئی۔ اس کے نتیجے میں **الرعاية لحقوق الله**، **کتاب التوهم**، **کتاب المخاطبات** اور **بستان العارفين** جیسی بلند پایہ کتب نے تصوف کو ایک اہم اسلامی فن کا درجہ دے دیا۔ تاہم ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی (م۳۷۸ھ / ۹۸۸ء) کی تصنیف **کتاب اللُّمع في التصوّف** کو ان سب اوّلین کتب پر اپنے متنوع موضوعات اور علمی قدر و قیمت کے علاوہ قبولیتِ عامہ کے باعث جو مقام حاصل ہے، وہ اس سے پہلے لکھی گئی کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس کتاب کا جائزہ ہم **رسالۂ قشیریہ** کے بعد قدرے تفصیل سے پیش کریں گے۔

۲۲- پیر محمد حسن (مترجم)، **رسالہ قشیریہ**، ۳۶، بحوالہ آربری Sufism، ۴۰۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے **رسالۂ قشیریہ** میں تصوّف کے مضامین اور مسائل کی جو ترتیب قائم کی ہے، اس سے ان کی وسعتِ نظر اور مستقبل میں اس علم کے فروغ کی امید کا اظہار ہوتا ہے کیوں کہ ان کے بعد آنے والے اہلِ قلم صوفیہ نے انھی کے اسلوب اور ترتیبِ مضامین کو اختیار کر کے اپنی کتب تصنیف کیں۔ فاضل مصنّف نے اس کتاب کا آغاز صوفیہ کے عقائد و نظریات کے بیان سے کیا ہے۔ پھر مشاہیر صوفیہ کے حالات زندگی اختصار کے ساتھ قلم بند کیے۔ اس کے بعد اصطلاحاتِ تصوّف کی وضاحت کی ہے۔ بعد ازاں مسائلِ تصوف کی اس طرح مدلّل انداز میں وضاحت کی کہ ہر مسئلے کو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے استدلال واستنباط کرتے ہوئے بیان کیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ فقہِ اسلامی کی طرح تصوّفِ اسلامی کی اصل بھی یہی دو اصول ہیں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہم گذشتہ صفحات میں بتا چکے ہیں کہ وہ ادیب، شاعر اور متکلم یعنی علم الکلام کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مفسر اور محدّث بھی تھے۔ اس جامعیت کی وجہ سے زیرِ نظر کتاب میں انھوں نے تمام احادیث اپنی سند سے پیش کی ہیں۔ جس کی ایک دو مثالیں ہم چند سطور کے بعد پیش کریں گے۔ انھوں نے کبار صوفیہ کے حالاتِ زندگی اس اسلوب میں پیش کیے ہیں کہ قاری اُن میں ایک کشش محسوس کرتا ہے اور اُن کے حالات سے مزید آگاہی کے لیے اس میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ اُن صوفیہ کے مقرّب الی اللہ ہونے کی ایک دلیل کے طور پر فاضل مصنّف نے اس کتاب میں ان کی ایک سو کرامات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ تاہم اس کتاب کے فاضل مترجم و محقق ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اپنے مقدمے میں یہ وضاحت کی ہے کہ کرامت، نہ ولایت کا جزو ہے اور نہ ولایت کی دلیل؛ اس سے محض کسی کے مقرّب الی اللہ ہونے کا پتا چلتا ہے۔[۲۳] اس کتاب میں ایک باب سماع پر بھی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنا نقطۂ نظر بھی بیان کیا ہے کہ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے کیوں کہ اس کے لیے کڑی شرائط کی پابندی ملحوظ رکھنا آسان نہیں۔ یہ شرائط انھوں نے **مجموعة الرسائل القشيرية** میں شامل **كتاب السماع** میں بھی بیان کی ہیں جس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ **رسالۂ قشیریہ** کے اختتامی حصہ میں ولایت، مرید اور شیخ کے آداب سے بحث کی گئی ہے۔

امام قشیریؒ قرآنی آیات، اپنی سند سے دی گئی احادیث مبارکہ، اقوالِ صحابہؓ اور سلَف صالحین و صوفیہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے مسائلِ تصوّف کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان کے اس عام اسلوب کی مثال غیبت کے

۲۳- پیر محمد حسن، مقدمۂ مترجم، **رسالہ قشیریہ**، ۳۹۔

موضوع پر چند اقتباسات کی صورت میں دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قارئین زیرِ نظر کتاب کی علمی قدر وقیمت اور تعمیرِ سیرت میں اس کی افادیت سے بہتر طور پر آگاہ ہو سکیں گے۔

رسالہ قشیریہ کا باب ۱۵ جو غیبت کے بارے میں ہے، اس کا آغاز وہ اپنے مذکورہ بالا اسلوب پر قرآن وسنّت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا﴾ (۲۴)
(تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔) (۲۵)

اب غیبت کی مذمت میں اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث مبارک بیان کرتے ہیں:

(ہم سے) ابو سعید محمد بن ابراہیم اسماعیلی نے، اُن سے ابو بکر محمد بن حسین بن حسن بن خلیل نے، ان سے علی بن حسن نے، ان سے اسحاق بن عیسیٰ ابن بنت داود بن ابی ہند نے کہا کہ ان سے محمد بن ابی حمید نے موسیٰ بن وردان سے روایت کی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مگر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، یہ شخص کس قدر کمزور ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے اپنے بھائی کو کھایا ہے اور اس کی غیبت کی ہے۔" (۲۶)

امام قشیریؒ غیبت کی مذمت کے بارے میں آیت مبارکہ اور حدیث نبوی درج کرنے کے بعد صلحائے امت کے اقوال وواقعات بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین قرآن وسنّت کی روشنی میں اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کے لیے محدّثین اور صوفیہ کی سیرتوں اور اقوال سے بھی رہ نمائی لے سکیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ: "عبداللہ بن مبارکؒ کی موجودگی میں غیبت کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنے والدین کی کرتا کیوں کہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔" (۲۷)

کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو حسن نے اس کے پاس مٹھائی کا طبق بھیجا اور کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنی نیکیوں کا تحفہ مجھے دیا ہے، اس لیے میں اس کے بدلے یہ بھیج رہا ہوں۔ (۲۸)

۲۴- القرآن ۴۹ : ۱۲۔

۲۵- رسالہ قشیریہ، ۴۱۳۔

۲۶- نفس مصدر۔

۲۷- نفس مصدر، ۴۱۵۔

۲۸- نفس مصدر، ۴۱۵۔

کون سی بات غیبت شمار نہیں ہوتی اور کس شخص کے بارے میں کہی گئی بات غیبت نہیں ہوتی، اس کی وضاحت کے لیے بھی امام قشیریؒ حدیث مبارک پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی اپنی سند سے درج کرتے ہیں:

(ہم سے) علی بن احمد اہوازی نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے، اُن سے احمد بن عمرو قطوانی نے، اُن سے سہل بن عثمان عسکری نے کہا کہ اُن سے ربیع بن بدر نے ابان سے روایت کی کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من ألقى جلباب الحياء عن وجهه فلا غيبة له۔"[۲۹] (جس شخص نے حیا کی چادر اپنے چہرے سے اتار پھینکی، اس کے متعلق کچھ کہنا غیبت نہیں۔)

امام قشیریؒ نے اہلِ اسلام کو اصلاحِ سیرت و کردار کے لیے قرآن و سنّت سے مدلّل اور بڑے دل نشین پیرایے میں متوجہ کیا ہے۔ اپنی سند سے احادیث مبارکہ نقل کرتے ہوئے انھوں نے آخری راوی تک جن راویوں کے اسما بیان کیے ہیں، ان سب کی ثقاہت کو ڈاکٹر پیر محمد حسن نے کتبِ رجال، طبقات اور کتبِ جرح و تعدیل سے واضح کیا ہے۔ اس کے باعث تصوّف کی پانچ امہات الکتب میں شمار ہونے والی اس اساسی اہمیت کی کتاب کے درجۂ استناد میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسائلِ تصوّف، قرآن و سنّت اور سیرتِ طیبہ کے عام موضوعات و مقاصد سے چنداں مختلف نہیں۔ ان کا مقصود بھی اہلِ ایمان میں اخلاقِ عالیہ پیدا کرنا ہے۔ امام قشیریؒ نے سلَف صالحین کے راستے سے بھٹک جانے والے اور شریعت سے بے بہرہ نام نہاد متصوفین کی وجہ سے تصوّف میں جو بگاڑ پیدا ہوا، اس کی اصلاح کرتے ہوئے متقی اور پابندِ شریعت صوفیہ کے احوال و اقوال پیش کیے ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے: **رسالہ قشیریہ** کا باب ۳۴ جود و سخا کے عنوان سے ہے۔ اپنے عام اسلوب کے مطابق مصنّف اس پر بحث کا آغاز قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ سے کرتے ہیں: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[۳۰] (انھیں خواہ اپنی حاجت کیوں نہ ہو، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔)

اس آیت مبارکہ کے معانی اپنی سند سے اس حدیث مبارک سے واضح کرتے ہیں:

> ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے ان سے کہا کہ حسن بن عباس نے ان سے کہا کہ سہل نے ان سے کہا کہ سعید بن مسلم نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی اور انھوں نے محمد بن ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہ سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سخی اللہ کے بھی قریب ہوتا ہے، لوگوں کے بھی اور جنت کے بھی اور دوزخ سے دور ہوتا ہے، اور بخیل اللہ سے بھی دور ہوتا ہے، لوگوں سے

۲۹۔ نفس مصدر

۳۰۔ القرآن ۵۹: ۹۔

اور جنت سے بھی مگر دوزخ کے قریب ہوتا ہے، اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔ (۳۱)

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ عربی زبان و ادب کے بھی ماہر ہیں، اس لیے اہم کلمات کی معنوی گہرائی بھی آشکار کرتے ہیں۔ مثلاً جود و سخا کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"علمی زبان میں 'جود و سخا' میں کوئی فرق نہیں، مگر سخا اور سماحت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں سے ہمیں واقف نہیں کیا۔" (۳۲)

اب وہ اس کی مزید وضاحت کے لیے صوفیہ کے احوال اور حکایات بیان کرتے ہیں:

در حقیقت "جود" یہ ہے کہ انسان کے لیے خرچ کرنا مشکل نہ ہو اور صوفیہ کے ہاں سخا پہلا مرتبہ ہے، پھر جود کا مرتبہ آتا ہے، پھر ایثار کا۔ جس نے اپنے مال کا کچھ حصہ دیا اور کچھ باقی رکھ لیا، وہ صاحب الجود ہے، مگر جس نے تکلیف برداشت کی، پھر اپنی روزی (کمائی) کو دوسروں کے لیے قربان کر دیا، وہ صاحبِ ایثار ہے۔۔۔ میں نے استاد ابو علی دقّاق کو فرماتے سنا کہ اسما بن خارجہ کہتے تھے: "میں کسی شخص کی حاجت کو رد کرنا نہیں چاہتا، کیوں کہ اگر وہ شریف انسان ہے تو اس کی عزّت بچاؤں گا اور اگر کوئی کمینہ ہے تو اپنی عزّت (اس سے بچاؤں گا)۔ (۳۳)

فاضل مصنّف صوفیہ کے یہاں جود و سخا کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ایک اور اثر انگیز واقعہ بیان کرتے ہیں جو کسی بھی انسانی معاشرے میں اخلاقِ عالیہ کو فروغ دینے کا باعث ہو سکتا ہے۔

مشہور روایت ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ (۳۴) بیمار پڑ گئے۔ اُن کی برادری کے لوگ عیادت کرنے نہ آئے۔ انھوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس قرض کی وجہ سے شرماتے ہیں جو اُن کے ذمے ہے۔ انھوں نے کہا: خدا اس مال کو رُسوا کرے۔ پھر ایک شخص سے کہا کہ اعلان کر دو کہ جس شخص کے ذمے

۳۱۔ رسالہ قشیریہ، ۵۶۵۔

۳۲۔ نفس مصدر۔

۳۳۔ نفس مصدر، ۵۶۵۔ ۵۶۶۔

۳۴۔ حضرت قیس بن سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہما (م ۶۰ھ) زمانۂ جاہلیت میں اور قبولِ اسلام کے بعد بھی اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت شہرت رکھتے تھے۔ یہ باپ بیٹا دونوں نام ور صحابی اور انصار کے قبیلہ بنو خزرج کے سردار تھے۔ ان سے سولہ (۱۶) احادیث مروی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی **سیر أعلام النبلاء** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۵ء)، ۳: ۱۰۲۔

قیس کا قرض ہے، وہ اسے معاف ہے۔ (اس اعلان کے ہوتے ہی) عیادت کرنے والوں کی اس قدر بھیڑ ہوئی کہ ان کے دروازے کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔ [۳۵]

فاضل مترجم نے اس کتاب میں مذکور تمام راویوں کی ثقاہت کو ثابت کرنے کے لیے ان کے احوال مستند کتبِ رجال و تاریخ سے بیان کیے ہیں، خواہ یہ حدیث کے راوی ہوں یا صوفیانہ نکات و حکایات کے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے: "میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ منصور بن احمد الحربی کہتے تھے کہ ابن ابی شیخ نے بیان کیا کہ عمرو بن سنان فرماتے تھے۔" [۳۶]

یہ سند امام قشیریؒ نے اپنے سے شروع کر کے آخری راوی تک بیان کی ہے۔ دیگر راویوں کے مختصر احوال وہ پہلے بیان کر چکے تھے جب کہ اس روایت میں 'ابن ابی شیخ' ایک نیا نام آیا ہے۔ اس کے بارے میں فاضل مترجم نے حواشی میں اپنی تحقیق سے تحریر کیا ہے: ابن ابی شیخ، ابو العباس احمد بن محمد بن احمد بن زکریا التغلبی المعروف بہ ابن ابی شیخ الحلنجی۔ انھوں نے ابو القاسم بغوی سے روایت کی ہے اور اُن سے ابراہیم بن عمر مکّی نے۔ یہ تصریح انھوں نے دو اہم مصادر سے پیش کرتے ہوئے ان کا مختصر حوالہ یوں دیا ہے: **نفحات الأنس**: ۱۶۵– ۱۶۶ ؛ **تاریخ بغداد** ۱۴: ۴۱۲– ۴۱۳۔ [۳۷]

امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں اصل تصوّف، اس کے مسائل اور رجالِ تصوف کو پیش کرنے میں ثقاہت کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا، اس کی وجہ سے اسے تصوّف کی پانچ امّہات کتب میں شمار کیا جاتا ہے۔ کتاب کے عربی متن کا اُردو ترجمہ صفحہ ۸۷۲ پر مکمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد فاضل مترجم کے حواشی ہیں جو صفحہ ۸۷۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۰۷۷ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۳۶۷ ہے۔ یہ ڈاکٹر پیر محمد حسن کی جان سوز محنت، ژرف نگاہی اور اس کتاب کے درجۂ استناد میں مزید اضافہ کرنے کے ان کے عزمِ بلند کی شہادت ہے۔ فاضل مترجم نے اس اساسی اہمیت کی کتاب کا شُستہ، بامحاورہ اور مستند ترجمہ کر کے اسے اُردو خواں قارئین کے لیے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ اس ترجمے کی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد سے ۱۹۷۰ء میں پہلی بار اشاعت کے بعد سے اس کی طلب میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ شائقینِ تصوّف میں اس کتاب کی مانگ میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

۳۵– **رسالہ قشیریہ**، ۵۶۹۔

۳۶– نفسِ مصدر، ۴۸۸۔

۳۷– نفسِ مصدر، ۹۷۸، حاشیہ ۷۳۰۔

۳- كتاب اللُّمع في التصوّف

علمِ تصوّف کی اُمہّاتُ الکتب میں شمار ہونے والی یہ عظیم کتاب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد سے اِس فن میں شائع ہونے والی تیسری کتاب ہے۔ **الرسائل القشیریة** اور **رسالہ قشیریہ** کی طرح یہ بھی پاکستانی قارئین میں بہت مقبول ہے۔ اس کے مصنف ابو نصر عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ (م ۳۷۸ھ / ۹۸۸ء) ہیں۔ ان کے آباء و اجداد بھی اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے انھی کی طرح مرجعِ خلائق تھے۔ یہ علوم القرآن، حدیث، آثارِ صحابہؓ، احوالِ صوفیہ اور تصوّف کے اصول و مبادی کے بہت بڑے عالم اور مبلّغ تھے۔ ان کے شیوخِ حدیث میں سے صرف جعفر خلدی، ابو بکر محمد بن داؤد دقی اور احمد بن محمد سُلَمی کے اسماے گرامی کتبِ تصوّف و تاریخ میں محفوظ رہ سکے ہیں۔ ان کے تلامذہ اور فیض یافتگان یوں تو ہزاروں میں ہوں گے لیکن ان سے آگے حدیث روایت کرنے والے ان کے تلامذہ میں سے ابو سعید محمد بن علی نقّاش اور عبد الرحمٰن بن محمد سرّاج مشہور ہیں۔ علمِ تصوّف میں ان کے شاگردوں میں سے صرف ابو الفضل بن حسن سرخسی نے شہرت پائی اور یہ بعد میں ابی سعید بن ابو الخیر کے پیر ہوئے ہیں۔[۳۸] مصادر سے ان کے اسی قدر حالات میسّر آسکے ہیں۔ اِس تشنگی کے احساس کا اظہار نکلسن اور ڈاکٹر پیر محمد حسن دونوں نے کیا ہے۔

یہ کتاب ایک مخطوط (قلمی نسخے) کی صورت میں تھی اور اہلِ علم کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ اِسے نام ور مستشرق پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن (۱۸۶۸ء– ۱۹۴۵ء) نے دریافت کیا اور اس کے ایک اور مخطوط سے تقابل کر کے متن کی اصلاح کرنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں اسے پہلی بار شائع کر کے علمی دنیا کو اس سے متعارف کروانے کا قابلِ قدر کارنامہ سر انجام دیا۔ انھوں نے جن دو مخطوط نسخوں کو تحقیقِ متن کے لیے اپنے پیشِ نظر رکھا تھا، وہ دونوں ناقص و نامکمل تھے۔ اس وجہ سے کتاب کی اوّلین اشاعت کے بعد بھی اس کے متن کی مزید تحقیق و جستجو کی گنجائش باقی تھی۔ اس کا جو حصّہ عدم دست یابی کی وجہ سے پہلی اشاعت میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا، اُس کے بارے میں آنجہانی پروفیسر نکلسن کو اپنی زندگی ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بانکی پور، بھارت میں موجود اس کے کامل مخطوط میں شامل ہے۔ تاہم اپنی دیگر علمی مصروفیات کے باعث وہ خود اس کمی کا ازالہ نہ کر سکے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے ایک قابل شاگرد اور جانشین پروفیسر اے۔ جے۔ آربری (۱۹۰۵ء– ۱۹۶۹ء) نے وہ حصّۂ کتاب حاصل کر کے

۳۸- نفس مصدر، ۳۶- ۳۷۔

تحقیقِ متن کے بعد ۱۹۴۷ء میں یہ مکمل کتاب شائع کر دی تھی۔[39] پاکستان کے نام ور محقق اور عربی لُغت و ادب کے ماہر ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اُردو ترجمہ کے لیے یہی مکمل کتاب اپنے پیشِ نظر رکھی۔ تاہم ان دونوں ممتاز مستشرقین سے فہمِ متن میں جو فرو گذاشتیں ہو گئی تھیں، ہمارے فاضل مترجم نے اپنے قابلِ قدر حواشی میں اُن کی اصلاح کر دی۔ اِس کی چند مثالیں انہوں نے مقدمۂ مترجم میں پیش کی ہیں۔[40] ان سے واضح ہوتا ہے کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد سے شائع ہونے والا یہ ترجمہ ان دونوں فاضل مستشرقین کے اصلاح کردہ متنِ کتاب سے کہیں بہتر اور معتبر ہے۔

یہ ترجمہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے پریس میں چھپا پڑا تھا اور کتاب جلد بندی کے بعد اشاعت کے لیے تیار تھی کہ اسی اثنا میں پاکستان کے ممتاز ماہرِ تعلیم اور سابق وائس چانسلر علّامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد محترم ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان کو ۱۹۸۳ء میں اس مؤقر ادارے کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے یہ مطبوعہ ترجمہ ملاحظہ کیا تو ٹائپ کی سینکڑوں اغلاط کی تصحیح اور کچھ مزید کاموں کی ضرورت محسوس کی۔ اس کے نتیجے میں کتاب کے آخر میں تصحیحِ اغلاط (اغلاط نامہ) اور ایک جامع اشاریے کا اضافہ کیا گیا۔ ان دو علمی کاموں کے علاوہ مفصّل فہرستِ موضوعات تیار کرنے کی خدمت محترمہ شگفتہ ناہید، سابق رکنِ ادارہ نے عربی زبان و ادب اور تحقیقِ متون کے معروف ماہر ڈاکٹر خورشید رضوی کی نگرانی میں سرانجام دی جو ادارہ کے شعبۂ ترجمہ و تدوین کے سربراہ تھے۔[41] اس سے کتاب کی افادیت میں قابلِ قدر اضافہ ہو گیا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۶ء میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے شائع کی جب کہ اس کا طبعِ دوم ۲۰۰۶ء میں ہدیۂ قارئین کیا گیا۔ یہ دونوں ایڈیشن ٹائپ شدہ تھے۔ محترم ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کی خصوصی دل چسپی کے باعث اب اسے ایم ایس ورڈ میں کمپوز کیا جا چکا ہے اور پروف خوانی کا عمل بھی مکمل ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب جلد زیادہ جاذبِ نظر انداز میں شائقینِ تصوّف کے لیے پیش کی جا سکے گی۔

۳۹۔ ابونصر سرّاج طوسی (م ۳۷۸ھ / ۹۸۸ء)، **كتاب اللُّمع في التّصوُّف** (ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن) (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، ۲۰۰۶ء)، پیش لفظ، ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان، ا۔

۴۰۔ نفسِ مصدر، مقدمہ مترجم، ۴۔ ۱۴۔

۴۱۔ نفسِ مصدر، پیش لفظ، ا۔ ۱۰۲۔

۶۹۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مباحث کی جو ترتیب پروفیسر نکلسن نے قائم کی تھی، فاضل مترجم نے اُردو ترجمہ میں اُسی کو برقرار رکھا ہے۔ فہرستِ موضوعات میں اس کے مباحث کو ابواب میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تاہم صفحہ ۷۹ کے بعد آنے والے مباحث کو باب کی بجائے کتاب کے زیرِ عنوان دیگر مباحث سے ممتاز کیا گیا ہے۔ مثلاً کتاب الاحوال والمقامات (ص ۸۰)، کتاب اَہل صفوت (ص ۱۲۱) اور کتاب المستنبطات (ص ۱۶۸)، وغیرہ۔ جب کہ کتاب کے اندر ابواب بندی کا التزام موجود ہے، مثلاً باب ۱ (ص ۳۳) اور باب ۲ (ص ۳۶)۔

مختصر طور پر اس کتاب کے اہم مباحث کا تذکرہ قارئین کی دل چسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مباحث یہ ہیں: علمِ تصوّف، اصحابِ حدیث کے طبقات، فقہا کے طبقات، صوفیہ اور اُن کے طبقات کا بیان۔ صوفی نام کی تشریح، تصوّف کیا ہے؟ کتاب الاحوال والمقامات۔ اس عنوان کے تحت مقامِ توبہ، مقامِ ورع، مقامِ زُہد اور فقر، صبر، توکل، مقامِ رضا اور اہلِ رضا کی تعریف سے بحث کی گئی ہے۔ احوال (صوفیہ) کے تحت قرب، محبت، خوف، رجاء (امید)، شوق، اُنس، اطمینان، مشاہدہ اور حالِ یقین پر مصنّف نے اپنے عام اسلوب کے مطابق قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، سیرتِ طیبّہ، آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اور کبار صوفیہ کے اقوال واحوال کی روشنی میں مدلّل بحث کی ہے۔ کتاب اہلِ صفوت کے زیرِ عنوان کتابُ اللہ سے موافقت، صوفیہ کے آدابِ تلاوت، فہمِ قرآن میں اربابِ قلوب کی صفت، احکامِ قرآن کی سختی سے تعمیل اور اُسوۂ حسنہ پر پابندی سے عمل کی اہمیت اس کتاب کا خاصہ ہیں۔ کتاب المستنبطات میں قرآن وحدیث اور صوفیہ کے اقوال واعمال سے کبار صوفیہ کے استنباطات بیان ہوئے ہیں۔[۴۲]

کتاب الصحابہؓ میں خلفاے راشدین رضوان اللہ علیہم کا الگ الگ ذکرِ خیر صوفیا کے زاویہ نگاہ سے کیا گیا ہے اور اُن کے ایسے مستجاب اعمال بیان ہوئے ہیں جو تزکیۂ نفس کے لیے صوفیا کے ہمیشہ پیش نظر رہے ہیں۔ کتاب آداب الصوفیہ میں وضوء، طہارت، عبادات کے آداب اور اہل صفا کا تذکرہ ہے۔ کتاب المسائل میں مسائلِ تصوّف مثلاً مسئلہ فنا وبقا، اخلاص، ذکر اور اس کے مراحل و مراتب سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب المکاتیب میں کبار صوفیا کی باہم خط و کتابت، اس میں زیر بحث آنے والے امور اور اُن کی دعائیں بیان ہوئی ہیں۔ کتاب السماع میں سماع کے آداب اور شروط کا ذکر ہے۔ کتاب الوجد میں وجد کی ماہیت و کیفیت اور دیگر متعلقہ مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب المشکلات میں اصطلاحاتِ تصوّف اور اس فن میں استعمال اور رائج ہونے والے مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ کتاب کے عنوان سے اس کا آخری باب کتاب شطحیات ہے۔ اس میں فنِ تصوّف کے ایسے کلمات کی

۴۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **كتاب اللُّمع في التصوّف**، ص ن، اردو ترجمہ: پیر محمد حسن۔

تشریح کی گئی ہے جو بہ ظاہر برے معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں صحیح و مستقیم ہیں۔ اس بحث میں فاضل مصنّف بتاتے ہیں کہ اولیاء اللہ مختلف حالتوں میں بعض اوقات ایسے کلمات ادا کرتے ہیں جو اُس شخص کے لیے ناقابلِ فہم ہوتے ہیں جو ان کے راستے پر چلا نہ ہو۔ اسے ایسے کلمات کی خود سے کوئی وضاحت کرنے یا انھیں متہم کرنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ ان اہلِ علم و فضل صوفیا سے ان کلمات کے معانی و مطالب معلوم کرے جو علمِ تصوّف اور احوال و کیفیاتِ صوفیا کے ماہر ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر تمام اسلامی علوم و فنون کی بھی مشکل مصطلحات کی وضاحت کے لیے ان کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ اس فن کی اصطلاحات اور مشکل کلمات کے معانی و مطالب سے آگاہی کے لیے بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب کے اختتام تک جاری ہے جس میں مختلف کبار صوفیا کے ایسے مشکل الفاظ اور اُن کی تشریح کے علاوہ اُن کے متاثر کن احوال کا تذکرہ ہے۔ (۴۳)

متذکرہ بالا کتبِ تصوّف ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے اُردو خواں اہلِ ذوق کو اصل تصوّف اور کبار صوفیا کے احوال و اقوال سے روشناس کروانے کے لیے ممتاز ماہرِ لُغت و تصوّف ڈاکٹر پیر محمد حسن (مرحوم) سے عربی سے اُردو میں ترجمہ کروائی تھیں۔ اِن پر اُن کے عالمانہ حواشی نے ان کتب کی علمی قدر و منزلت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ اِن کتب کی متعدد اشاعتوں اور اہلِ علم کی طرف سے ان کی مسلسل پذیرائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادارہ اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہا ہے۔ اہلِ علم و فضل تو پہلے سے اِس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اصل تصوّف کی بنیاد بھی فقہِ اسلامی اور دیگر اسلامی علوم کی طرح قرآن و سنّت، سیرتِ طیبہ، آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اور سَلف صالحین کے اقوال و اعمال پر ہے۔ اِن اُمّہاتُ الکتب کی اُردو زبان میں دست یابی کی وجہ سے اب عام قارئین بھی جان سکتے ہیں کہ تصوّف، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے احکامِ شریعت پر اخلاصِ نیّت اور ثابت قدمی سے عمل پیرا رہنے کا نام ہے۔ اس لیے تصوّف کے ایسے دعوے دار جو احکامِ شریعت پر سختی سے عمل پیرا نہیں ہوتے، اُن کا شریعت پر مبنی اصل تصوّف سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ کتب تصوّف کے میزان کا درجہ رکھتی ہیں جن پر اصل تصوّف اور اس کے جھوٹے دعوے داروں کو پرکھا جا سکتا ہے۔

اس تصنیف لطیف کے مصنف ابو نصر سرّاج طوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۸ھ) ہیں۔ ان کا پورا اسم گرامی عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ہے۔ ان کا لقب 'طاووس الفقراء' ہے۔ ان کے آباء و اجداد بھی اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے معروف تھے۔ ابو نصر سراج طوسی نے مسائل تصوف کو قرآن و سنت، آثار صحابہؓ اور اپنے ایسے اسلاف صوفیہ کے

۴۳۔ نفس مصدر۔

اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے جو علوم قرآن و حدیث اور عربی لغت و ادب میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اس کتاب کے اُردو ترجمہ، تحقیق متن اور حواشی تحریر کرنے کا اعزاز بھی مذکورہ صدر کتب تصوف کی طرح محترم ڈاکٹر پیر محمد حسن کو حاصل ہے۔

نتیجہ بحث

علمِ تصوّف پر تین ابتدائی اور اساسی اہمیت کی ان کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ علم بھی قرآن حکیم اور سنّت مبارکہ کے دیگر علوم وفنون مثلاً تفسیر، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، صرف و نحو اور بلاغت کی طرح منشاءِ الٰہی کے درست فہم و ادراک میں معاون ہے۔ اس علم میں جن متّنوع موضوعات مثلاً اخلاص، عفو و درگزر، جود و سخا اور انسانی فوز و فلاح سے بحث کی جاتی ہے، وہ قرآن و سنّت، عمل صحابہؓ اور سلَف صالحین کے اقوال و اعمال پر مبنی ہیں۔ تصوّف میں درآنے والے خارجی عوامل کے خلاف خود اہلِ تصوّف نے قلم اٹھایا اور اسے قرونِ اولیٰ کی طرح قرآن و سنّت کے درست فہم کے ذریعہ بنا دیا۔ انسانی معاشروں میں اسلام کے پیغامِ محبّت، باہمی ہمدردی و تعاون کے فروغ میں تصوّف اور صوفیہ نے جو اہم کردار ادا کیا، یہ مطبوعاتِ ادارہ اُس سے نئی نسل کو روشناس کرنے کا اہم منبع ہیں۔

۞۞۞۞۞